11۔قدرِ ایاز

کرنل محمد خان

(1920ء۔۔۔1999ء)

تعارف:

اردو کے ممتاز مزاح نگار کرنل محمد خان چکوال میں پیدا ہوئے. ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی. میٹرک کے بعد گورنمنٹ سکول لاہور میں داخلہ لیا.

کارہائے نمایاں:

اس دوران میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی چنانچہ 1940 میں بطور سیکنڈ لیفٹیننٹ کمیشن حاصل کیا. قیام پاکستان کے بعد دفاعی پاکستان میں حصہ لیا. 1965 میں رن کچھ کے محاذ پر نمایاں کارنامے انجام دیے۔ کرنل کے عہدے پر پہنچ کر ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور مستقل طور پر راولپنڈی میں سکونت اختیار کرلی۔

مزاح نگاری:

کرنل محمد خان کا طرز تحریر سعد اور دلچسپ ہے۔ ان کی تحریروں کا اصل حسن ساتھی اور خلوص سے۔ وہ گزرے ہوئے واقعات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ان میں چھپی ہوئی ظرافت دل میں گھر کر جاتی ہے۔ مزہ کے ساتھ ساتھ انسانی کمزوریوں، جھوٹ، اور بناوٹ کے رویوں پر طنز کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کئی موضوعات پر بڑے گراں قدر اور اہمیت کے حامل نگاری کا ایک سلجھا ہوا انداز نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں سوقیانہ پن کا گمان تک نہیں ہوتا سادگی، معنی، طنزومزاح ان کی تحریروں کی نمایاں خوبیاں ہیں۔

مُشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
امتیاز	انفرادیت	انس	محبت
تواضع	مہمان نوازی	خاکسارانہ	غریبانہ
شانِ نزول	نازل ہونے کی وجہ	قسامِ ازل	ازل کے دن سے بانٹنے والا مراد اللہ تعالی
معیوب	غیب والا	نیم وحشت	آدھا پاگل پن
انتخاب	چنا ہوا	متنازعہ	جھگڑے والا
چوپال	دیہات کی بیٹھک	خفیف	ہلکا سا
قباحت	برائی	کباڑیا	پرانی چیزوں کی خرید و فروخت کرنے والا
نامولود	جو ابھی پیدا نہیں ہوا	وجۂ گرانی	غصے کی وجہ

سبق کا خلاصہ

مصنف نے سبق صحیح بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کی قدر و قیمت کا انحصار اس کے خلوص محنت اور اسی پر منحصر ہے۔ مصنف نے دیہاتیوں کے طرز زندگی ان کی ساتھی اور خلوص کے بارے میں بتایا ہے۔

خوش قسمتی سے مصنف کو جرنیلوں کی طرح چھاؤنی کے اندر ایک بہت بڑا بنگلہ ملا تھا جو کہ دوسرے کرنے والوں کے مقابلے میں بالکل الگ نوعیت کا تھا۔ مختلف قسم کے درختوں، پیڑوں اور پھولوں نے اس بنگلے کو سہانا بنا دیا تھا۔بنگلے کے اندرونی رہائش کے لیے کچھ سیکنڈہینڈ اشیاء کا بھی سہارا لیا گیا تھا۔

صاحبزادہ سلیم نے تازہ تازہ میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔وہ سارا دن اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل کود اور ٹیلی ویژن دیکھنے میں زیادہ وقت گزارتا۔بوڑھے گھریلو ملازم علی بخش کو سلیم سے بے حد پیار تھا، صرف ان علی بخش کے علاوہ کسی اور کو سلیم کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی۔بقول مصنف ایک دن میں مطالعہ کمرے میں بیٹھا تھا کہ علی بخش روانی صورت بنائے کمرے میں داخل ہوا۔ میرے پوچھنے پر بتانے لگا کے سلیم یا نے ڈانٹا ہے اور ہونے کا طعنہ بھی دیا ہے سلیم کی ناراضگی اور ڈانٹ کی وجہ پوچھنے پر علی بخش نے بتایا کہ سلیم میاں کے دوست امجد صاحب کو میں نے باہر برآمدے نہیں آرام کرسی پر بٹھایا تھا۔ اور ٹھنڈے پانی کا گلاس بھی پیش کیا تھا لیکن سلیم صاحب کہتے ہیں تم نے میرے دوست کی اچھی طرح خبر گیری نہیں کی۔ انہیں مشروب کے طور پر کوکا کولا کیوں نہ پیش کیا؟ اس کا دوست اب سمجھے گا کہ ہم بہاتی ہیں۔ علی بخش کو سلیم کی ڈانٹ کا بڑا رنج ہوا۔

کرنل صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے علی بخش کو سلیم کے بیانات سے یہ اندازہ لگایا کہ تنازع معمولی نوعیت کا ہیں ہیں۔ جو کہ ایک چانے کی پیالی پر ختم ہو سکتا ہے۔ تناظر صرف یہ تھا کہ علی بخش کو دیہاتی کہا گیا اور سلیم نے کہا کہ اس کا دوست دیہاتی سمجھے گا۔ لہذا میں نے دونوں کو پاس بٹھا کر ایک دیہاتی لڑکے کا قصہ سنانا شروع کروا دیا کہ ایک دیہاتی لڑکا گاؤں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد شہر کے ہائی سکول میں داخل ہوا کرتا۔ پہنا ہوا تھا تہمد باندھا ہوا تھا ماسٹر جی نے شلوار پہننے کا کہا تو وہ بولا او خدایا شلوار تو لڑکیاں پہنتی ہیں ۔ سلیمی آہستہ پڑھے اور مزید غور سے بات سننے لگے اسکول میں اسے چھوٹا چوہدری کہا جاتا تھا۔ اسی اسکول کے سیکنڈ ماسٹر کوٹ پتلون پہنتے تھے لاہور کے رہنے والے تھے۔ اپنی گفتگو کے دوران انگریزی کے الفاظ کا استعمال بھی کثرت سے کرتے تھے بڑے خوش مزاج اور شکار کے شوقین تھے۔ ایک دن شکار کھیلتے ہوئے چھوٹے چودھری کے گاؤں جا پہنچے سکھ کھیلتے ہوئے رات ہوگی اور چھوٹے چودھری کے گاؤں میں ہی رات گزارنے کا پروگرام بنایا چھوٹا چوہدری ماسٹر بھی کو دیکھ کر خوش بھی تھا۔ اور حیران بھی حیران اس لیے تھا کہ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان کی خدمت کیسے کی جائے چھوٹے چودھری نے ماسٹر جی کو چوپال میں ٹھہرایا جہاں ایک طرف آگ جلا کر گاؤں کے کچھ لوگ ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف چودھری صاحب کی گھوڑی بندھی ہوئی تھی۔

سب نے ماسٹر جی کا شاندار طریقے سے استقبال کیا اور ان کی خیریت دریافت کی ماسٹر جی کو رنگیلی چارپائی پر بٹھایا گیا۔

سلیم نے طنزیہ انداز میں اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا چھوٹے چودھری کے گھر میں کرسی نہیں تھی وہ چودھری کس بات کے تھے۔گاؤں کا نائی ماسٹر جی کے پاؤں دابنے لگا۔ تازہ مکئی کے بھٹے پیش کئے گئے۔ جب ماسٹر جی نے چائے کی فرمائش کی تو چونکہ گاؤں میں چائے کا تو رواج نہ تھا لہذا بڑی کوشش کے بعد حکیم صاحب کے گھر سے چائے ملی۔ یہ تمام گفتگو سلیم بڑے غور سے سن رہا تھا اور موقع پاکر طنزیہ سوال بھی کرڈالتا تھا۔ رات کو مرغ کا سالن پیش کیا گیا۔ رات کو ماسٹر جی کو چوپال میں سلایا گیا صبح کو ہرے بھرے کھیتوں کی سیر کرائی گئی اور گاؤں کی مسجد کے غسل خانے میں غسل کرایا گیا ناشتہ کرنے کے بعد ماسٹر جی شہر واپس آگئے۔ سلیم نے سوال کرتے ہوئے پوچھا تو پھر چھوٹا چوہدری سکول تو نہ گیا ہوگا۔ ابا جی نے بتایا ہرگز ایسا نہیں چھوٹا چوہدری باقاعدگی سے سکول جاتا رہا اور پڑھائی مکمل کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گیا سلیم نے چھوٹے چودھری سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ ان سے میری ملاقات تو کرایے۔ باپ نے اپنے بازوؤں کو پھیلایا اور کہا کہ آو ملو چھوٹے چودھری سے۔ سلیم نے چند لمحوں کے لئے مجھے حیران ہو کر دیکھا اور پھر مجھ سے لپٹ گیا اب سلیم اور علی بخش دونوں کی آنکھیں نم تھیں اور ان کی آنکھوں میں ایک دیہاتی کے لیے محبت اور پیار کی چمک تھی یہ حقیقت ہے کہ ذہانت کسی کی میراث نہیں۔ اللہ تعالی جسے چاہے عطا کر دیتا ہے۔ دیہات ہو یا شہر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بلاوجہ گاؤں کے لوگوں کو کمتر سمجھتے ہیں حالانکہ گاؤں کے لوگ بھی بہت اچھے اور محنتی ہوتے ہیں۔

اس کہانی کا مرکزی خیال یہ ہے کہ دیہاتی ہونا کوئی ذلت یا عارف کی بات نہیں ہے۔ کسی شخص سے اس کے دیہاتی ہونے ک باعثنفرت نہیں کرنی چاہیے۔ دیہاتی بھی آخر انسان ہیں ان میں سادگی اور خلوص و محبت کے جذبات ہوتے ہیں اور اکثر دیہاتی تعلیم حاصل کر کے اعلی عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ نئی نسل کو دیہاتی پن سے نفرت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کے آباو اجداد ہاتھوں سے شہر میں منتقل ہوئے ہیں۔ مصنف کا بیٹا دیہاتوں سے نفرت کرتا تھا لیکن جب اس کا باپ اسے بتاتا ہے کہ وہ خود ایک دیہاتی ہے اور ترقی کر کے کرنل کے عہدے پر فائز ہے تو وہ بہت شرمندہ ہوتا ہے اور اس کے دل سے دیہاتیوں سے نفرت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔